

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

معمر کے حق و باطل

قارئین کرام جانتے ہیں کہ اس ماہنامہ کا ایک اہم مقصد باطل شکنی ہے۔ اسی سلسلے میں اہل باطل کے باطل نظریات کا سنجیدہ علمی رد ”معمر کے حق و باطل“ کے نام سے قسط وار جاری و ساری ہے۔ اس کی ایک اور قسط ملاحظہ فرمائیں اور خود فیصلہ کریں کہ حق کس کے پاس ہے۔

عقیدہ نمبر ۱۵ : ”امیر المؤمنین عمر لوگوں کو دوزخ میں گرنے سے

روکے ہوئے تھے۔“
 إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ دَعَا أُمَّ كُلْثُومَ بِنْتِ عَلِيٍّ بِنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، وَكَانَتْ تَحْتَهُ، فَوَجَدَهَا تَبْكِي، فَقَالَ: مَا يُبْكِيكِ؟ فَقَالَتْ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! هَذَا الْيَهُودِيُّ، تَعْنِي كَعْبُ الْأَحْبَارِ، يَقُولُ: إِنَّكَ عَلَى بَابٍ مِّنْ أَبْوَابِ جَهَنَّمَ، فَقَالَ عُمَرُ: مَا شَاءَ اللَّهُ، وَاللَّهِ! إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ يَكُونَ رَبِّي خَلَقَنِي سَعِيدًا، ثُمَّ أُرْسِلَ إِلَى كَعْبٍ فَدَعَاهُ، فَلَمَّا جَاءَهُ كَعْبٌ قَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! لَا تَعْجَلْ عَلَيَّ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَا يَنْسَلِخُ ذُو الْحِجَّةِ حَتَّى تَدْخُلَ الْجَنَّةَ، فَقَالَ عُمَرُ: أَيُّ شَيْءٍ هَذَا؟ مَرَّةً فِي الْجَنَّةِ، وَمَرَّةً فِي النَّارِ، فَقَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنَّا لَنَجِدُكَ فِي كِتَابِ اللَّهِ عَلَى بَابٍ مِّنْ أَبْوَابِ جَهَنَّمَ، تَمْنَعُ النَّاسَ أَنْ يَقْعُوا فِيهَا، فَإِذَا مِتَّ لَمْ يَزَالُوا يَفْتَحُونَ فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

”سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ محترمہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا و دختر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلایا، انہیں روتے پایا، سبب پوچھا، کہا: اے امیر المؤمنین! یہ یہودی کعب احبار رضی اللہ عنہ (جو بعد میں

مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے) کہتا ہے کہ آپ جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر ہیں۔ امیر المؤمنین نے فرمایا: جو خدا چاہے، اللہ کی قسم! بے شک مجھے امید ہے کہ میرے رب نے مجھے سعید پیدا کیا ہے۔ پھر کعب احبار کو بلا بھیجا۔ انہوں نے حاضر ہو کر عرض کی: امیر المؤمنین! مجھ پر جلدی نہ فرمائیں۔ قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، ذی الحجہ کا مہینہ ختم نہ ہونے پائے گا کہ آپ جنت میں تشریف لے جائیں گے۔ فرمایا: یہ کیا بات کہ کبھی جنت میں، کبھی نار میں؟ عرض کی: اے امیر المؤمنین! قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، ہم آپ کو کتاب اللہ میں جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر پاتے ہیں کہ آپ لوگوں کو جہنم میں گرنے سے روکے ہوئے ہیں، جب آپ فوت ہو جائیں گے، قیامت تک لوگ نار میں گرا کریں گے۔“ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 332/3)

اس اثر کو بنیاد بناتے ہوئے جناب احمد رضا خان بریلوی یوں شہ سرخی لگاتے ہیں:

”امیر المؤمنین عمر لوگوں کو دوزخ میں گرنے سے روکے ہوئے تھے۔“

(الأمن والعلی، ص: 218)

تبصرہ: ① اس کی سند ”ضعیف“ ہے۔ اس کا راوی سعد الجاری غیر مشہور اور غیر موثق ہے۔ یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ اس نے عبد اللہ بن دینار کا زمانہ پایا ہے یا نہیں۔ جو شخص اس کو صحیح سمجھتا ہے، اس پر سعد الجاری کی توثیق ثابت کرنا لازم ہے۔

② اس ”ضعیف“ اثر میں بھی بریلوی حضرات کے لیے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل نہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی حیات مبارکہ میں دین اسلام کی تبلیغ کرتے تھے اور بہت سے لوگ ان کی تبلیغ سے متاثر ہو کر جہنم میں گرنے سے بچے ہوئے تھے۔ اس سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کی ذات کی وجہ سے آپ کی زندگی میں تمام لوگ جہنم سے آزاد ہو گئے تھے، ورنہ آپ کے زمانے میں ہی مرنے والے ہزاروں لاکھوں



کفار جہنم میں جائیں گے۔

③ اسی روایت سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عالم الغیب نہ تھے کیونکہ انہیں کعب احبار رضی اللہ عنہ کی بات کا صحیح مفہوم معلوم نہ ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ کعب کو اپنی بات کی وضاحت کرنا پڑی۔ کیا بریلوی حضرات اس روایت کی بنا پر مخلوق سے علم غیب کی نفی کرتے ہیں؟ اگر نہیں تو اپنی مطلب برآری کے لیے اسے کیوں پیش کرتے ہیں؟

عقیدہ نمبر ۱۶ : ”فاروق اعظم زمین کے مالک ہیں۔“

محمد بن سیرین تابعی رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

لَنَا رِقَابُ الْأَرْضِ . ”اس زمین کا انتظام وانصرام ہمارے ہاتھ میں ہے۔“

(شرح معاني الآثار للطحاوي: 218/3)

اس اثر سے اپنی دلیل تراشتے ہوئے جناب احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں:

”فاروق اعظم فرماتے ہیں زمین کے مالک ہم ہیں۔“ (الأمن والعلی، ص: 219)

تبصرہ: ① اس اثر کی سند ”ضعیف“ ہے، کیونکہ محمد بن سیرین کی سیدنا

عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہی نہیں ہوئی، یوں یہ روایت منقطع ہے۔

② دوسری بات یہ ہے کہ اس ”ضعیف“ روایت کا مفہوم وہ نہیں جو جناب

بریلوی نے اخذ کرنے کی کوشش کی ہے۔ کاش کہ اس ”ضعیف“ روایت کا مفہوم سمجھنے کے

لیے احمد رضا خان صاحب اپنے ان بڑے ائمہ کی طرف ہی رجوع کر لیتے جن کی تقلید کا وہ

دم بھرتے ہیں۔ اسی روایت کو ذکر کرنے کے بعد امام طحاوی حنفی (م 321ھ) لکھتے ہیں:

قَالَ عُمَرُ: لَنَا رِقَابُ الْأَرْضِ، قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ: فَدَلَّ ذَلِكَ أَنَّ رِقَابَ

الْأَرْضِ كُلَّهَا إِلَى أئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ، وَأَنَّهَا لَا تَخْرُجُ مِنْ أَيْدِيهِمْ إِلَّا



بِإِخْرَاجِهِمْ إِيَّاهَا إِلَى مَا رَأَوْا ، عَلَى حُسْنِ النَّظَرِ مِنْهُمْ لِلْمُسْلِمِينَ ، فِي عِمَارَةِ بِلَادِهِمْ وَصَلَاحِهَا ، فَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ .

”سیدنا عمرؓ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ (خراج والی) تمام زمینوں کا تصرف مسلمانوں کے حکمرانوں کے پاس ہے۔ یہ زمینیں ان کے تصرف سے صرف اسی صورت نکل سکتی ہیں کہ وہ خود انہیں اپنی فہم و فراست کے ذریعے مسلمانوں کی آبادی اور ان کی خوشحالی کے لیے صرف کر دیں۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔“ (شرح معانی الآثار: 270/3)

یاد رہے کہ امام طحاوی حنفیؒ نے یہ کتاب صرف اسی لیے لکھی ہے کہ احادیث و آثار کا معنی و مفہوم بیان کریں اور اس کا نام بھی یہی ہے کہ شرح معانی الآثار (احادیث و آثار کے معانی کی تشریح)۔ اس پر مستزاد یہ کہ انہوں نے اس روایت کا مفہوم خود بیان نہیں کیا بلکہ امام ابوحنیفہؒ سے نقل کیا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کا جواز احناف کے پاس یہی ہوتا ہے کہ جی اتنے علوم و فنون میں مہارت حاصل کرنا ہمارے بس کی بات نہیں جتنے علوم و فنون قرآن و سنت کے فہم کے لیے ضروری ہیں، اسی لیے ان ہم ماہرین فن ائمہ کی تقلید پر ہی اکتفا کرتے ہیں جو تیسری صدی ہجری سے پہلے پہلے گزر گئے ہیں۔ وہ یہی بہانہ بنا کر خود قرآن و سنت کے فہم کی کوشش نہیں کرتے۔ یہاں نہ جانے جناب بریلوی صاحب کو اپنے انہی ائمہ کا فہم پسند کیوں نہیں آیا اور انہوں نے کس مجبوری کو مد نظر رکھ کر ایک ”ضعیف“ اور منقطع روایت کا ایسا مفہوم لیا ہے جو ان سے پہلے تاریخ اسلام میں کسی نے بھی نہیں لیا اور جس کا فقہ اسلامی میں دور دور تک کہیں نام و نشان تک نہیں ملتا؟؟؟

معلوم ہوا کہ اس ”ضعیف“ روایت سے بھی اولیاء اللہ کے وہ اختیارات و تصرفات ثابت نہیں ہوتے جن کے ثبوت کے لیے بریلوی حضرات ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور جن پر

ان کے مذہب کا دارومدار ہے۔ اس روایت سے تو دنیوی لحاظ سے زیرنگین علاقے کا تصرف ثابت ہوتا ہے جو کفار بھی اپنے اپنے علاقوں میں رکھتے ہیں۔

عقیدہ نمبر ۱۶ : ”غیر اللہ سے استعانت شرک نہیں۔“

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے : إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ إِلَى عُثْمَانَ يَسْتَعِينُهُ فِي غَزَاةٍ غَزَاهَا، قَالَ : فَبَعَثَ إِلَيْهِ عُثْمَانُ بِعَشْرَةِ آلَافٍ دِينَارٍ، فَوَضَعَهَا بَيْنَ يَدَيْهِ، قَالَ : فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَلِّبُهَا بِيَدَيْهِ وَيَدْعُو لَهُ، وَيَقُولُ : «غَفَرَ اللَّهُ لَكَ يَا عُثْمَانُ ! مَا أَسْرَرْتَ، وَمَا أَعْلَنْتَ، وَمَا أَخْفَيْتَ، وَمَا هُوَ كَائِنْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، مَا يُبَالِي عُثْمَانُ مَا عَمِلَ بَعْدَ هَذَا» ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ

ایک غزوے کے لیے آپ کی مدد کریں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے دس ہزار دینار بھیجے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے سامنے رکھا اور انہیں دونوں ہاتھوں سے چومنے لگے اور سیدنا عثمان کے لیے دعا کرنے لگے اور فرمانے لگے : اے عثمان ! اللہ نے تیری مخفی اور علانیہ اور قیامت تک ہونے والی تمام لغزشوں کو معاف فرما دیا ہے۔ عثمان کو آج کے بعد اپنے کسی عمل کی پرواہ نہیں۔“ (الکامل في ضعفاء الرجال لابن عدي: 340/1، ت: 169، تاريخ دمشق لابن عساكر:

65/39، كنز العمال: 36189)

”اعلیٰ حضرت“ بریلوی اس روایت سے اپنا شرکیہ عقیدہ ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”کیوں وہابی صاحبو! غیر خدا سے استعانت شرک تو نہیں؟ ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ

نَسْتَعِينُ﴾ کے کیا معنی کہتے ہو؟“ (الأمن والعلی، ص: 220)

تبصرہ : ① اس روایت کی سند ”ضعیف“ ہے۔ امام ابن عدی رحمہ اللہ اس



روایت کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: وَهَذَا الْحَدِيثُ بِهَذَا الْإِسْنَادِ غَيْرُ مَحْفُوظٍ . ”اس سند کے ساتھ یہ حدیث غیر محفوظ ہے۔“

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ”منکر“ قرار دیا ہے۔ (میزان الاعتدال: 176/1)

اس کے راوی ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم ثقفی کوئی کے بارے میں امام ابن عدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: رَوَى عَنِ الثَّقَاتِ بِمَا لَا يُتَابَعُ عَلَيْهِ وَأَحَادِيثُهُ غَيْرُ مَحْفُوظَةٍ . ”یہ ثقہ راویوں سے منکر روایات بیان کرتا ہے اس کی احادیث غیر محفوظ ہیں۔“ (الکامل فی ضعفاء الرجال: 340/1)

حافظ ذہبی (الکاشف: 60/1) اور حافظ ابن حجر (التقریب: 336) رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ راوی ”ضعیف“ ہے۔

سوائے امام ابن حبان رحمہ اللہ کے اس کی توثیق کسی نے نہیں کی اور علم حدیث و رجال سے تمسک رکھنے والے اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ امام ابن حبان رحمہ اللہ کے تساہل کی بنا پر ان کی منفرد توثیق مفید نہیں ہوتی۔

② اس ”ضعیف“ روایت سے بھی غیر اللہ سے استعانت کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ یہ دراصل خلط بحث کی کوشش ہے۔ ہر ذی شعور جانتا ہے کہ قرآن و سنت میں جہاں جہاں غیر اللہ کی طرف سے مدد کی نفی کی گئی ہے وہ مافوق الاسباب پر محمول ہے۔ یعنی اسباب و وسائل کے بغیر کوئی غیر اللہ کسی کی کوئی مدد نہیں کر سکتا، جبکہ اللہ تعالیٰ بغیر اسباب و وسائل کے بھی مدد کرتا ہے۔ مثلاً سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب تک زندہ تھے ان سے مسلمانوں کے اجتماعی و انفرادی مفاد کے لیے مالی تعاون طلب کیا جاتا رہا لیکن جب آپ وفات پا گئے تو کسی صحابی و تابعی نے آپ سے کسی قسم کی کوئی مدد طلب نہیں کی۔ وجہ صرف یہی تھی کہ جب آپ بقید حیات تھے تو ان کے پاس اپنا کاروبار اور وسیلہ موجود تھا اور وہ مدد کر سکتے تھے۔ جب آپ



وفات پا گئے تو آپ بجائے مد ہونے کے دوسروں کے محتاج ہو گئے۔ اپنے کفن و دفن اور غسل سے لے کر قبر تک جانے اور اس میں داخل ہونے تک میں وہ خود اپنی مدد بھی نہ کر سکے۔ اس کے بعد ان سے مدد کیسے طلب کی جاسکتی ہے؟ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ حی و قیوم ذات ہے۔ وہ اسباب کے ساتھ بھی دیتا ہے اور بغیر اسباب کے بھی عطا فرماتا ہے۔ سیدہ مریم علیہا السلام کی ہی مثال لیجیے۔ اللہ تعالیٰ بغیر موسمی اسباب کے ان کو محراب میں پھلوں سے بھی نواز دیتا ہے اور بغیر جنسی اسباب کے ان کو اولاد بھی دے دیتا ہے۔ نیز سوکھے ہوئے کھجور کے درخت سے ان کے لیے کھجوریں گرانا اور وہیں پر پینے کے لیے پانی جاری کرنا بھی اسباب کے بغیر تھا۔ ایسی مدد سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں کر سکتا۔ نبی اکرم ﷺ کائنات کی سب سے بہترین ہستی ہیں۔ آپ بھی بغیر اسباب کے کسی کی کوئی مدد نہ کر سکتے تھے۔ جب آپ ﷺ کے پاس کوئی چیز نہ ہوتی تو صحابہ کرام کے ساتھ خود بھی باہر کھانے کی تلاش میں نکل پڑتے۔ (صحیح مسلم: 2038) اور جب کچھ ہوتا تو عنایت فرما دیتے۔

رہی ماتحت الاسباب مدد، یعنی اسباب و وسائل کی موجودگی میں کسی کی مدد کرنا تو وہ ہر شخص کرتا ہے، چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم اور خواہ نیک ہو یا گناہگار۔ اس میں کسی کو کوئی خصوصیت حاصل نہیں۔ آپ نے کئی دفعہ مشاہدہ کیا ہو گا کہ اپنی زندگی میں اور اسباب و وسائل کے تحت کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کی یا کوئی گناہگار کسی نیک شخص کی اخلاقی و مالی مدد کرتا ہے۔ کیا اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ غیر اللہ سے ما فوق الاسباب مدد مانگنا جائز ہے؟ کیا غیر مسلم این جی اوز مسلمانوں کو بددین کرنے کے لیے ان کی مالی معاونت نہیں کرتیں؟ کیا ہمارے بریلوی بھائی کسی غیر مسلم کو بھی اس کی موت کے بعد مدد کے لیے پکاریں گے؟

معلوم ہوا کہ قرآن کریم نے غیر اللہ سے جس مدد کی نفی کی ہے، وہ ما فوق الاسباب، یعنی اسباب و وسائل کے بغیر ہے۔ قرآن کریم کی درج ذیل اور اسی مفہوم کی دیگر آیات کا



یہی مفہوم ہے:

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ (الفاتحة: 1: 5)

”ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔“

﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾ (آل عمران 3: 126)

”مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو کہ غالب اور حکمت والا ہے۔“

﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (الأنفال 8: 10)

”مدد تو صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔“

③ یہ روایت تو الٹا ان غیر اللہ کے پجاریوں پر ضرب کاری ہے جو کہتے ہیں رسول اکرم ﷺ ”مختار کل“ تھے۔ اگر آپ ﷺ مختار کل تھے تو آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مدد کیوں مانگی؟ نیز بریلوی حضرات کے نزدیک ولایت اور نیکی ہی وہ سبب ہے جس کی بنا پر کوئی غیر اللہ مدد کر سکتا ہے۔ اس میں کسی مسلمان کی کوئی شک و شبہ نہیں رسول اکرم ﷺ ساری کائنات سے بڑھ کر نیک تھے۔ پھر آپ ﷺ کو مدد کے لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے رابطہ کیوں کرنا پڑا؟

یہ بھی ثابت ہوا کہ غیر اللہ اسباب و وسائل کی موجودگی میں مدد کر سکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اسباب نہ ہونے کی بنا پر اپنی مدد آپ نہ کر سکے بلکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے تعاون طلب کیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس مالی وسائل تھے، لہذا انہوں نے مدد کر دی۔ ایسا نہیں ہوا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ یا کسی صحابی کے پاس کوئی چیز موجود نہ ہو اور رسول اکرم ﷺ نے باوجود اس بات کا علم ہونے کے اس سے وہ چیز مانگی ہو۔ یہی حال صحابہ کرام کا تھا۔ انہوں نے آپ کی حیات مبارکہ میں بھی کبھی آپ ﷺ سے کوئی ایسی چیز طلب نہ کی جس کے اسباب و وسائل آپ ﷺ کے پاس نہ تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ کی وفات کے



بعد کسی صحابی نے آپ ﷺ سے کوئی مدد نہیں مانگی۔

④ عجیب بات ہے کہ بریلوی اپنی دلیل میں تو یہ ذکر کر رہے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے مدد کے لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے رابطہ کیا، لیکن وہ خود ”یاعلیٰ!“ کے نعرے لگاتے ہیں۔ کبھی بھی ان کے زبان و بیان سے ”یا عثمان!“ کا نعرہ نہیں نکلا! آج تک کسی بریلوی بھائی کو اس نعرے کی جرأت نہیں ہوئی۔ کیا وجہ ہے؟ کیا اب بریلوی بھائیوں کے نزدیک بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مدد نہیں کر سکتے؟ یا پھر رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا تھا کہ میں عثمان رضی اللہ عنہ سے مدد مانگتا ہوں اور تم علی رضی اللہ عنہ سے مانگنا؟؟؟

⑤ صحابہ و تابعین اور ائمہ دین کا بہترین زمانہ گزر گیا لیکن کسی نے غیر اللہ سے مافوق الاسباب استعانت نہیں کی، یعنی کسی فوت شدہ سے کوئی مدد نہیں مانگی۔ کیا صحابہ و تابعین اور ائمہ دین کو وہ بات سمجھ نہیں آ سکی جو بریلوی حضرات کو آگئی ہے؟ اگر مخلوق سے مافوق الاسباب استعانت کیے بغیر، یعنی فوت شدگان اور اصحاب قبور سے مدد مانگے بغیر صحابہ و تابعین اور ائمہ دین کا گزارا ہو گیا تھا تو ہمارا کیوں نہیں ہوتا؟

عقیدہ نمبر ⑧: ”غیر اللہ کی پناہ مانگنا جائز ہے۔“

ایک مصری نے امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! عَائِدُ بِكَ مِنَ الظُّلْمِ. ”امیر المومنین! آپ کی پناہ لیتا ہوں ظلم سے۔“ امیر المومنین نے فرمایا: [عُدْتَ مَعَاذًا] ”تو نے درست پناہ گاہ ڈھونڈی ہے۔“ (کنز العمال لعلاء الدین علی بن حسام الدین المتقی الہندی: 660/12)

تبصرہ: ① یہ بے سند و بے سرو پا روایت اہل سنت والجماعت کے خلاف عقیدہ

رکھنے والوں کے منہ پر علمی طمانچہ ہے۔ دین سند کا نام ہے۔ بے سند دین کا کوئی اعتبار نہیں۔

② دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص زندہ اور حاضر شخص سے ایسی پناہ مانگے

جس پر وہ قادر ہو تو یہ ماتحت الاسباب استعانت ہے جو کہ مخلوق سے کرنا جائز ہے۔ جو پناہ مخلوق نہ دے سکے، وہ مخلوق سے طلب کرنا شرک ہے۔ اسباب و وسائل کے تحت ظلم سے پناہ تو کوئی مظلوم، وقت کے قاضی اور چیف جسٹس سے بھی مانگ لیتا ہے اور مانگنی بھی چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «فَمَنْ وَجَدَ مَلْجَأً أَوْ مَعَاذًا، فَلْيَعُذْ بِهِ»
 ”جو شخص کوئی پناہ پائے، اس میں آجائے۔“

(صحیح البخاری: 7082، صحیح مسلم: 2886)

کیا کوئی بریلوی بھائی آج کے کسی قاضی یا چیف جسٹس کے فوت ہونے کے بعد اس سے پناہ مانگے گا؟ اگر نہیں تو یہی فرق ہے جائز اور ناجائز استعانت میں کہ مخلوق سے اسباب و وسائل کی موجودگی میں مدد یا پناہ مانگنا جائز ہے جبکہ اسباب و وسائل کی عدم موجودگی میں مخلوق سے مدد یا پناہ مانگنا شرک ہے اور یہی صورت محل نزاع ہے۔ امید ہے کہ بریلوی بھائیوں کی سمجھ میں بات آجائے گی۔

عقیدہ نمبر (۱۹): ”مخلوق کو فریاد کرنا جائز ہے۔“

خلافت فاروقی میں ایک سال مدینہ میں قحط عظیم پڑا۔ اس سال کا عام الرمادہ نام رکھا گیا (یعنی ہلاکت و تباہی جان و مال کا سال)۔ سیدنا امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے مصر میں فرمان بھیجا: یہ ابن عاص کی طرف عمر بن خطاب کا خط ہے: [سَلَامٌ، أَمَّا بَعْدُ! فَلَعَمْرِي، يَا عَمْرُؤ! مَا تَبَالِي إِذَا شَبِعَتْ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ أَلْ أَهْلِكَ أَنَا وَمَنْ مَعِيَ، فَيَا غَوَاةَ، ثُمَّ يَا غَوَاةَ] ”سلام کے بعد واضح ہو کہ مجھے اپنی جان کی قسم! اے عمرو، جب آپ اور آپ کے ملک والے سیر ہوں تو آپ کو کوئی پرواہ نہیں کہ میں اور میرے ملک والے ہلاک ہو جائیں۔ اے فریاد کو پہنچ، اے فریاد کو پہنچ۔“ (کنز العمال للمتقی الہندی: 615/12)



تبصرہ: ① یہ بے سند اور بے ثبوت روایت ہے، اسی لیے بریلوی حضرات کے حصے میں آئی ہے۔

② اہل سنت والجماعت کا اہل بدعت سے اختلاف تحت الاسباب مدد طلب کرنے کے بارے میں نہیں بلکہ فوق الاسباب مدد طلب کرنے کے بارے میں ہے، یعنی جہاں کوئی مخلوق مدد کے وسائل و اسباب نہ رکھتی ہو، وہاں اس سے مدد مانگنا شرک ہے لیکن جہاں مخلوق کے پاس اسباب و وسائل موجود ہوں، وہاں اس سے مدد طلب کرنا شرک نہیں بلکہ جائز ہے۔ مثال کے طور پر قحط زدہ یا سیلاب زدہ لوگ اپنے مسلمان بھائیوں سے اس مصیبت میں مدد مانگیں اور وہ اسباب و وسائل کے ذریعے ان کی مدد کر سکتے ہوں تو یہ جائز ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی مخلوق سے ایسی چیز مانگے جس پر وہ قادر نہ ہو تو یہ شرک اکبر ہے جیسے کوئی کسی مخلوق سے زندگی، صحت یا اولاد وغیرہ مانگے۔

③ اسی بے سند روایت پر ہی غور کیا جائے تو شرک و بدعت کے بچنے ادھر جاتے ہیں۔ بریلوی بھائی غور فرمائیں کہ یہاں مخلوق سے فریاد کرنے والا کون ہے؟ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی تو ہیں، یعنی اس روایت کے مطابق سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی محتار نہیں بلکہ محتاج ہیں۔ جو لوگ اپنے مُردہ پیروں سے ہر طرح کی حاجت روائی کا یقین رکھتے ہیں، انہیں زندہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا محتاج ہونا کیسے ہضم ہو گیا؟

عقیدہ نمبر (۲۰): ”سیدنا علی کا دعویٰ مشکل کشائی!“

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: [إِنِّي لَأَسْتَحْيِي مِنَ اللَّهِ أَنْ يَكُونَ ذَنْبٌ أَعْظَمَ مِنْ عَفْوِي، أَوْ جَهْلٌ أَعْظَمَ مِنْ حِلْمِي، أَوْ عَوْرَةٌ لَا يُوَارِيهَا سِتْرِي، أَوْ خُلَّةٌ لَا يَسُدُّهَا جُودِي] ”اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ کسی کا گناہ میری معافی



سے بڑھ جائے، کسی کی جہالت میری بردباری اور حلیمی سے بڑھ جائے، کسی عیب یا شرم کی بات کو میرا پردہ نہ چھپائے، کسی کی حاجت کو میرا کرم بند نہ کرے۔“

(تاریخ بغداد للخطیب: 381/1، تاریخ دمشق لابن عساکر: 517/42، کنز العمال: 36364)

تبصرہ: ① یہ جھوٹ کا پلندا ہے۔ اس کو بیان کرنے والا راوی بیٹم بن

عدی سخت جھوٹا اور ”متروک“ راوی ہے۔ اس کے بارے میں ادنیٰ کلمہ تو شیق بھی ثابت نہیں۔ دوسرا راوی مجالد بن سعید بھی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ”ضعیف“ ہے۔

② اس جھوٹی روایت میں بھی بریلوی حضرات کے لیے کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس روایت میں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ التجا کر رہے کہ اگر کوئی ضرورت مند میرے پاس آئے تو ایسا نہ ہو کہ میرے پاس اس کی ضرورت پورا کرنے کے اسباب و وسائل نہ ہوں۔ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ باقی تمام زندہ انسانوں کی طرح اپنی زندگی میں اسباب و وسائل کے تحت کسی کی مدد کرتے تھے۔ اس کا کوئی انکاری نہیں لیکن اسباب و وسائل کے بغیر یا دنیا سے کوچ کر جانے کے بعد ان کا مدد کرنا نہ ثابت ہے نہ ان سے ایسی مدد مانگنا جائز ہے۔

③ مشکل کشائی اور حاجت روائی کا جو عقیدہ بریلوی حضرات سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں رکھتے ہیں، وہ صحابہ و تابعین اور ائمہ دین سے قطعاً ثابت نہیں، البتہ رافضی شیعوں کے ہاں ایسی بہت سے باتیں مل جاتی ہیں۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے میدانِ کربلا میں بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو نہیں پکارا۔ اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ مافوق الاسباب یا وفات کے بعد مدد کر سکتے ہوتے تو ان کے لختِ جگر ضرور انہیں مصیبت کے وقت میں پکارتے۔

عقیدہ نمبر (۲۱): ”سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا دعویٰ حاجت روائی!“

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: [مَا أَذْرِي أَيُّ النِّعْمَتَيْنِ أَعْظَمُ عَلَيَّ مِنْهُ مَنْ رَبِّي، رَجُلٌ بَدَلَ مُصَاصٍ وَجْهِهِ إِلَيَّ، فَرَأَيْتِي مَوْضِعًا لِحَاجَتِهِ، وَأَجْرَى اللَّهُ



قَضَائِهَا، أَوْ يَسْرَهُ عَلَى يَدَيَّ، وَلَئِنْ أَقْضِيَ لِامْرَأَةٍ مُسْلِمٍ حَاجَةً أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ مَلَأِ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَفِضَّةً] ”میں نہیں جانتا کہ ان دو نعمتوں میں سے کون سی مجھ پر میرے رب کی طرف سے زیادہ احسان ہے کہ ایک شخص مجھے اپنی حاجت روائی کا محل جان کر اپنا منہ میری طرف کرے اور اللہ تعالیٰ اس کی حاجت میرے ذریعے پوری کر دے تو یہ تمام روئے زمین بھر کر سونا چاندی ملنے سے مجھے زیادہ محبوب ہے کہ میں کسی مسلمان کی حاجت پوری کر دوں۔“ (کنز العمال: 17049)

اس روایت کو دلیل بناتے ہوئے ”اعلیٰ حضرت“ بریلوی یوں سرخی جماتے ہیں:
 ”وہابیہ کے نزدیک مولیٰ علیٰ خدائی بول بول رہے ہیں۔ اپنے آپ کو غفار ستار، قاضی الحاجات بتا رہے ہیں۔“ (الأمن والعلي، ص: 222)

تبصرہ: ① یہ بھی بے سند روایت ہے۔ بے سند روایات بے سند لوگ ہی پیش کر سکتے ہیں۔

② اس روایت میں بھی سیدنا علیؑ اپنے آپ کو قاضی الحاجات نہیں بتا رہے بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کو قاضی الحاجات ثابت کر رہے ہیں۔ ان کے یہ الفاظ بریلوی بھائیوں کو بار بار پڑھنے چاہئیں کہ وَأَجْرِي اللَّهُ قَضَائِهَا (اللہ تعالیٰ حاجت پوری کر دے)۔ نیز اس میں ماتحت الاسباب مدد کا ذکر ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔

قارئین کرام ان لوگوں کے دلائل اور ان دلائل سے مستنبط مسائل پر غور فرمائیں۔ کیا اہل حق کے دلائل اور استنباطات اس طرح کے ہوتے ہیں؟ جو لوگ قرآن و سنت کو سمجھنے سے قاصر ہونے کا بہانہ کر کے تقلیدِ شخصی کا پٹہ اپنے گلے میں ڈالتے ہیں، انہیں کس نے یہ حق دیا ہے کہ بے سند و من گھڑت روایات سے ان مسائل کا استنباط کریں جن کا صحابہ و تابعین اور ائمہ دین میں سے کسی نے استنباط نہیں کیا؟؟؟